© rasailojaraid.com

۱۵۱۔ الاسوانی حسین بن علی بن سید الکل، نجم الدین (م ۷۳۹ھ) ص ۶۱

۱۵۲۔ الاسوانی، الزبیر بن علی ص ۶۱۔ (اخو نجم الدین الاسوانی)

۱۵۳۔ الاسوانی، حسن بن علی (م ۷۴۲ھ) ص ۶۱ [اخو نجم الدین الاسوانی]

۱۵۴۔ الأدفوی[1]، جعفر بن عبداللہ بن تغلب بن جعفر، ابوالفضل کمال الدین۔

(۶۸۵-۷۴۸ھ) ص ۶۱

۱۵۵۔ الاصفہانی، محمود بن عبدالرحمن بن احمد، ابوالثناء شمس الدین (م ۶۷۴-۷۴۹ھ) ص ۶۲

۱۵۶۔ الاصفونی[2]، احمد بن محمد بن عبدالعلیم، علم الدین (۷۰۰۔۔ ۷۴۹ھ) ص ۶۲

۱۵۷۔ الاردبیلی[3]، فرج بن محمد بن ابی الفرج، نور الدین (م ۷۴۹ھ) ص ۶۳

۱۵۸۔ ابن الأنصاری، احمد بن محمد بن قیس، ابوالعباس، شہاب الدین (۶۶۰-۷۴۹ھ) ص ۶۳

۱۵۹۔ الاصفونی، عبدالرحمن بن یوسف بن ابراہیم، ابوالقاسم نجم الدین (۶۷۷-۷۵۰ھ) ص ۶۴

۱۶۰۔ الاسنوی، سلیمان بن جعفر، ابوالربیع، محی الدین (۷۰۰-۷۵۶) ص ۶۴

۱۶۱۔ محمد بن ضیاء الدین احمد بن عبدالقوی، نجم الدین (م ۷۶۳ھ) ص ۶۴

۱۶۲۔ احمد بن عبدالقوی ضیاء الدین (م ۷۱۲ھ) ص ۶۵ [والد نجم الدین محمد]

۱۶۳۔ الاسنائی محمد بن الحسن بن علی بن عمر، عماد الدین القُرشی الأموی۔ (۶۹۵-۷۶۴ھ) ص ۶۶

---

[1] أدفو (بضم الہمزۃ وسکون الدال وضم الفاء وسکون الواو) کی طرف منسوب ہے۔ صعید مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہ گاؤں توص اور اسوان کے مابین واقع ہے۔ یہاں کھجور کے باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ (معجم البلدان ۱/۱۲۰)

[2] اصفون (بفتح الہمزۃ وضم الفاء) کی طرف منسوب ہے۔ اصفون دریائے نیل کے مغربی کنارے پر ایک گاؤں کا نام ہے (معجم ۱/۲۱۲)

[3] قال الاسنوی فی طبقاتہ: "واردبیل قریۃ من قری تبریز" طبقات ص ۶۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۴۔ ترجمۃ والد المصنف[1] (م ۷۰۸ھ) ص ۶۶

۱۶۵ الاسنائی جمال الدین، عبدالرحیم (م ۷۷۴ھ) ص ۶۷۔ [عم مصنف]

---

[1] مصنف نے اپنے والد کے حالات مختصراً لکھے ہیں لیکن والد کا نام یا نسب نامہ نہیں دیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس نسخے سے وہ صفحہ غائب ہو جہاں مصنف نے اپنے والد کا نسب نامہ لکھا ہے۔ اس نسخے میں محمد بن الحسن الاسنوی کے ترجمہ کے ذیل میں مصنف نے اپنے والد کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور اس طرح حالات شروع کیے ہیں: "وکان الوالد رحمۃ اللہ تعالیٰ مع ما اتصف بہ من العلم من کبار الصالحین المتورعین المنقطعین الی اللہ عزوجل، اشتغل باسنا علی البہاء القفطی الخ ..." محمد بن الحسن الاسنوی کے حالات زندگی ختم ہونے کے فوراً بعد مندرجہ بالا عبارت سے مصنف اپنے والد کے حالات زندگی لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ آخری دو سطروں میں اپنے چچا عبدالرحیم جمال الدین الاسنوی کے حالات بھی لکھ دیتا ہے۔

باقی

ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۷۰ء کی جدید مطبوعات حسب ذیل ہیں

۱۔ تفسیر مظہری اردو (نویں جلد)	قیمت مجلد	۱۷/۰ روپے
۲۔ حیات (مولانا) سید عبدالحئی	〃	۱۱/۰ 〃
۳۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	〃	۹/۰ 〃
۴۔ مآثر و معارف (از: مولانا قاضی محمد اطہر مبارکپوری	〃	۱۰/۰ 〃

پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدامۃ بن جعفر

(کاتب بغدادی)

(۲)

(سلسلے کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان فروری ۱۹۵۱ء)

نقدُ الشّعر

از جناب وقار احمد صاحب رضوی۔ ایم۔اے۔ دہلی

"نقد الشعر" کو مصنف نے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول میں شعر کی تعریف، اقسامِ شعر، اجزائے شعر اور مباحث شعر میں ــ معنی فحش، مناقضہ یا تناقض کے مسائل کو جگہ دی ہے۔

دوسری فصل میں نعوت شعر کے تحت ــ نعت اللفظ، محاسن وزن اور نعت القوافی کا ذکر ہے اس فصل میں ایک طویل باب مضامین شعری کے بیان میں ہے۔ اس باب میں شعر کے مضامین۔ مدح، ہجو، مراثی، نسیب، وصف، تشبیہ اور اقتصار علی حدالا وسط کے مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب افکار و نظریات کے اعتبار سے اہم باب ہے۔ اسی باب میں صنائع معنوی ــ تقسیم، صحت التفسیر، تتمیم، مبالغہ، تکافو، التفات کو بیان کیا گیا ہے تیسری فصل میں عیوبِ شعر سے بحث ہے۔

شعر کی تعریف کرتے ہوئے قدامہ نے کہا ہے کہ شعر کے لئے علمِ عروض سے زیادہ مذاقِ سلیم کی ضرورت ہے۔ وجدان اور ذوقِ سلیم شعر گوئی کی بنیادی کہتے ہیں۔ یہ ایک فطری ملکہ ہے۔ جو خدا اپنے خاص بندوں کو ودلیعت کرتا ہے۔ اور اسی کو شاعر کے ملکۂ راسخہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حقیقتِ شعر علم و عروض و قوافی کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ موزونیت اور قافیہ بندی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطری لہر، طبائع انسانی میں پائی جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علم عروض بعد میں مدوّن ہوا اور شاعری پہلے ہی سے رائج ہے۔

قدامہ نے علم و شعر کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) علم عروض و وزن (۲) علم قوافی و مقاطع

(۳) علم غریب و لغت و نحو (۴) علم معانی و مقصد

(۵) علم نقد الشعر۔

حدِ شعر کے چار رکن ہیں اور وہ یہ ہیں۔

لفظ[۱]، معنی[۲]، وزن[۳]، تقفیہ[۴]

قول[۱] یا لفظ کی قید سے دلالت کلام مقصود ہے۔ جو شعر کے لئے بمنزلہ جنس کے ہے۔ وزن[۲] کی قید شعر کو قول غیر موزوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور قافیہ[۳] کی قید شعر کو اس کلام سے ممیز کرتی ہے جو موزوں ہو گو مقفی نہ ہو لیکن حقیقتِ شعر، تقفیہ سے مستغنی ہے۔ کیوں کہ کلام موزوں غیر مقفی بھی اہلِ صناعت کے نزدیک شعر کی تعریف میں داخل ہے۔ شعر کے لئے قافیہ کے بجائے وزن زیادہ ضروری ہے۔

معنی[۴] کی قید سے وہ قول خارج ہو گیا جس میں وزن اور قافیہ ہو گر وہ کسی معنی پر دلالت نہ کرے۔

اس تعریف میں شارح نے دو باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ اگر "قول" کے بجائے "کلام" کہا جاتا تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ کلام کہتے ہی اس قول کو ہیں جو معنی پر دلالت کرے۔ پھر "یدل علی معنی" کہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ دوسرے "بالقصد" کی قید بڑھائی ہے۔ ورنہ قرآن کی آیات شعر کی تعریف میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہے[۱]۔ اگرچہ یہ بات بھی ہے کہ قرآن مجید، مجموعاً باعتبارِ تخاطب،

---

[۱] جیسے الف۔ لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا۔ فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات
ب۔ ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون۔ " " " "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

...ب شعری پر مشتمل نہیں ہے۔ اس لئے اس کو تماماً کلام منظوم یا شعر نہیں کہہ سکتے۔ چاہے بالقصد کی ہو یا نہ ہو۔

اب بحث شعر کے جیّد اور ردی ہونے میں ہے۔ شعر ایک صناعت (فن) ہے۔ اور ہر صناعت دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک جودت اور دوسرے ردائت ــــ مطلب یہ ہے کہ کلام جیّد بھی ہوتا ہے اور ردی بھی لیکن ہر صناعت میں صانع کی یہ غرض ہوتی ہے کہ مصنوع کو غایتِ کمال یا اعلیٰ ...انے تک پہنچادے۔ مصنوع کو غایتِ کمال تک پہنچانے میں صانع کی کاریگری یا جذبہ ...امی کو زیادہ دخل ہوتا ہے .... اس نظریہ کے پیش نظر مطلق شعر کی حسب ذیل پانچ ...رتیں ہوئیں۔

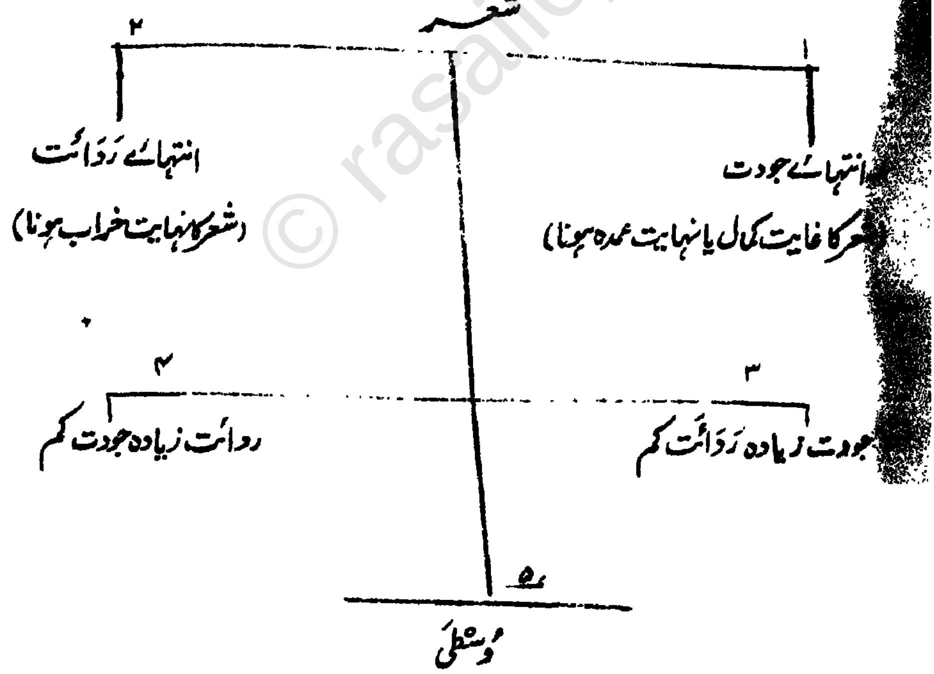

۱۔ وہ شعر جس میں تمام اسبابِ جودت مجتمع ہو جائیں اور وہ عیوب سے خالی ہو۔ اس کو نہایت عمدہ ...یا انتہائے جودت کہا جائے گا۔

۲۔ وہ شعر جس میں اس حالت کی ضد موجود ہو یعنی عیوب سے بھرپور ہو، اس کو نہایت خراب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر یا انتہائے ردائت کہا جائے گا۔

۳۔ وہ شعر جس میں دونوں حالتوں ۔۔۔ جودت و رَدَابت کے تھوڑے تھوڑے اسباب جمع ہوں۔ یعنی جودت زیادہ ردائت کم یا

۴۔ رَدَائت زیادہ جودت کم تو اچھے یا برے شعر سے اس کو جس قدر قرب ہوگا، اسی لحاظ سے اس کا نام رکھا جائے گا۔

۵۔ اور کچھ درمیانی درجات بھی ہوتے ہیں ان کو وسائط کہتے ہیں۔ یعنی اگر شعر مراتبِ اوسط کی تعبیر کرے تو اس کو صالح ، متوسط یا لاجیّدٌ ولا ردیٌّ کہیں گے۔ جیسے کہا جائے گا کہ یہ شعر اچھا (صالح) ہے یا اوسط درجہ کا ہے۔ یا نہ اچھا ہے نہ برا کیوں کہ درمیانی مراتب کی تعبیر کا یہی ایک طریقہ ہے کہ سلبِ طرفین کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے۔ اس لیے ایسے موقع پر کہیں گے "لاجیّدٌ ولا ردیٌّ" یعنی نہ اچھا ہے نہ برا جس طرح نیم گرم پانی کے متعلق جو گرم اور ٹھنڈے کے مابین ایک درمیانی مرتبہ ہے، عرفاً کہا جاتا ہے کہ نہ وہ گرم ہے نہ ٹھنڈا۔

ہر فن کار طرفِ اعلیٰ کا قصد کرتا ہے۔ وہ مصنوع کو اعلیٰ درجہ کی کاریگری کا نمونہ بنانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اب اگر صناع میں اس قدر قدرت ہے کہ وہ اپنی صنعت کو غایتِ کمال تک پہنچا دے تو وہ ماہر کامل، شاعر بلیغ یا الفحل الحنذیذ ہے اور اگر وہ غائت مطلوبہ تک پہنچنے میں قاصر ہے تو حسب موقع اس کا نام رکھا جائے گا۔ ظاہر یہی ہے کہ غائت مطلوبہ تک پہنچنے میں ناکامی اسی شاعر کی ہو سکتی ہے جس کا ملکۂ شعر گوئی کمزور ہو۔

قدامہ نے "نقد الشعر" میں تین اہم مباحث کو جگہ دی ہے اور ان کے بارے میں اپنے منفرد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ شعر میں معنی فحش جائز ہیں۔

۲۔ تناقض یا مناقضہ بری چیز نہیں ہے۔

۳۔ شعر میں غلو یا مبالغہ اچھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی فحش | اگر مضمون نہایت مبتذل اور فاحش ہو، لیکن شاعر اس کی بہترین تصویر کشی کردے اور اس کی حکایت و توصیف میں غایتِ مطلوبہ تک پہنچا دے، تو پھر وہ شعر مبتذل نہیں طرزِ ادا کی وجہ سے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مضامین شعری، شاعر کے دماغ پر نازل ہوتے ہیں اور اس بات کا شاعر کو پورا اختیار ہے کہ وہ جس خیال کو پسند کرے، اس کو بیان کردے کیوں کہ مضامین، شعر کے لئے بمنزلۂ مادۂ موضوعہ کے ہیں۔ اور شعر ان کے لیے بمنزلۂ صورت کے ہے جیسا کہ ہر صناعت کے لیئے ضروری ہے کہ اس میں ایک ایسی شئی موضوع ہو جو صورتوں کی تاثیر یا اثر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جیسے نِجَارت کے لیے لکڑی اور صیاغت کے لیے چاندی ۔

اسی طرح معانی یا مضامین شعر کے لیے مثل مادہ کے ہیں۔ اور خود شعر اس میں بمنزلۂ صورت کے ہے جیسے لکڑی مادہ ہے اور اس سے جو چیز موضوع ہو، وہ صورت ہے۔ تو اس شئی موضوع کی جودت و رَدَائت کا انحصار لکڑی کی اچھائی یا خرابی پر نہیں بلکہ اس میں صانع کے جذبۂ صناعی یا کاریگری کو زیادہ دخل ہے۔ کیوں کہ اگر لکڑی ردی ہے اور صانع اس کو اچھی طرح بنا دے تو لکڑی کا خراب ہونا مصنوع کی رَدَائت کا سبب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بات صانع کے لیے باعث تحسین و قابل تعریف ہے کہ اس نے ایسی خراب لکڑی سے اتنی اچھی چیز تراش دی۔ اسی طرح شعر میں فُحش اور متبذل خیالات و مضامین کو نہیں دیکھا جائے گا۔ بلکہ اس امر پر غور کیا جائے گا کہ شاعر نے اس پست خیال کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ اور اس خیال کو حسنِ ادا میں، حدِ اعلیٰ طرفِ اجود یا غایتِ مطلوبہ تک پہنچا دیا ہے یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انحصار جودت، مادہ یا مضمون پر نہیں بلکہ اصل چیز صناع کا جذبۂ صناعی یا وہ تراشش ہے جو شعر کو غایتِ کمال تک پہنچاتی ہے ۔

اس سلسلے میں قدماء نے امرؤ القیس کے ان دو شعروں کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَمِثْلِکِ حُبْلَی قد طَرَقْتُ ومُرضِعٍ فألھَیْتُھا عن ذی تَمَائِمَ مُحْوِلِ
إذا ما بَکَی مِن خَلْفِھا انْصَرَفَتْ لہ بشقٍّ وتحتی شِقُّھا لَمْ یُحَوَّلِ

ان دونوں اشعار میں شاعر نے اگرچہ گھٹیا مضامین کی ترجمانی کی ہے لیکن قدامہ کے نزدیک یہ دونوں شعر مبتذل نہیں ہیں کیوں کہ شاعر نے ان میں خیال کی تصویر کشی کر دی ہے۔ قدامہ کے نزدیک مضمون یا خیال کا بذات خود مبتذل ہونا، شعر کی جودت کو زائل نہیں کرتا جس طرح لکڑی کا فی نفسہ ردی اور خراب ہونا صناع کی جودتِ کاریگری کو عیب نہیں لگاتا۔ نیز یہ کہ یہ بات تو شاعر کی قادر الکلامی یا ملکۂ راسخہ پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس نے ایسے رکیک مضمون کو اس قدر اعلیٰ پیرایہ میں بیان کر دیا۔ یہ شاعر کی قوت شعر گوئی اور کمال اقتدار کی بات ہے۔

تناقض یا مناقضہ | تناقض یا مناقضہ یہ ہے کہ شاعر پہلے کسی چیز کی بہت تعریف کرے اور پھر اسی کی بری طرح مذمت کرے۔ اسی کو مناقضہ یا اختلاف رائے کہتے ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے ایسے لوگ مناقضہ کو عیب شمار کرتے ہیں لیکن قدامہ کے نزدیک، مناقضہ درست ہے یہ کوئی عیب اور گرفت کی بات نہیں۔ بشرطیکہ مدح و قدح اپنی اپنی جگہ پر نہایت عمدہ اور قابل تحسین ہو مصنف کے نزدیک یہ بات فن شعر گوئی میں، شاعر کی قدرت یا ملکۂ راسخہ پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے ایک چیز کی خصوصیت ظاہر کی، پھر اسی کے خلاف نہایت حسن و خوبی اور کمال مہارت سے بیان کر دیا۔ یا پہلے شعر کے معنی میں کچھ تھوڑا بہت تصرف کر کے دوسرا خیال ظاہر کیا۔ یہ عیب نہیں۔ بلکہ شاعر کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔

عقل سلیم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جس طرح مبتذل مضامین کو اشعار میں لانا عیب نہیں اسی طرح متناقض خیالات کا باندھنا بھی شاعر کے لیے حدِ کمال میں داخل ہے۔ اگر شاعر نے ان متناقض خیالات کو حسن و خوبی سے ادا کیا ہو۔

مثال کے طور پر امرءُ القیس کے ان اشعار میں تناقض ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَلَوْ اَنَّمَا اَسْعٰی لِاَدْنیٰ مَعِیشَۃٍ كَفَانِی وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِیلٌ مِنَ الْمَالِ

اگر میں معمولی اور ادنی زندگی کے لیے کوشاں ہوتا، تو مجھے قلیل مال کافی ہوتا اور میں مجد و بزرگی کا طالب نہ ہوتا

۲۔ وَلٰكِنَّمَا اَسْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّلٍ وَقَدْ یُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ اَمْثَالِی

لیکن میں نے پائدار مجد و بزرگی کو طلب کیا، بلند حوصلہ ہونے کی وجہ سے۔ اور مجھ جیسے بلند حوصلہ لوگ ایسی پائدار شرف و بزرگی کو پالیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شاعر بلند حوصلہ ہے۔ اور اکتفاء الانسان بالیسیر کا قائل نہیں ہے۔

۳۔ فَتَمْلَأُ بَیْتَنَا اِقِطاً وَسَمْناً وَحَسْبُكَ مِنْ غِنیً شِبْعٌ وَرِیٌّ

وہ گلۂ گوسفند جو اونٹ کے عوض ملا ہے، وہ ہمارے گھر کو گھی اور پنیر سے بھر دیتا ہے اور تمہارے لیے مال داری سے بس یہی کافی ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھالو اور پانی پی کر سیراب ہوجاؤ۔

یہ تینوں اشعار دو مختلف قصیدوں کے ہیں۔

جو لوگ ان اشعار پر اعتراض کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ امرؤ القیس کے ان اشعار میں تناقض ہے اور وہ یہ کہ پہلے دو شعروں میں شاعر نے اپنی علوئے ہمت اور بلند حوصلہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور ادنی معیشت پر اپنی ناراضمندی کا اظہار کیا ہے لیکن تیسرے شعر میں شاعر نے بلند ہمتی سے اعراض کرتے ہوئے، قناعت کی تعلیم دی ہے جیسا کہ شاعر کا قول ہے ؎

وَحَسْبُكَ مِنْ غِنیً شِبْعٌ وَرِیٌّ

ان دونوں مضامین یعنی شروع کے دو شعروں اور تیسرے شعر میں معترض کے نزدیک تناقض ہے۔ بلکہ معترضین یہاں تک گئے ہیں کہ انھوں نے اس بات سے بھی انکار کر دیا ہے کہ یہ امرؤ القیس کے اشعار ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک امرؤ القیس اس قسم کے متضاد اشعار نہیں کہہ سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب مصنف (قدامہ) اس تناقض کا رد کرتا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ اول تو میرے نزدیک، شعر میں تناقض یا مناقضہ جائز ہے۔ دوسرے اگر غور سے دیکھا جائے تو امرؤ القیس کے ان اشعار میں کوئی مناقضہ نہیں ہے بلکہ دونوں معنی، دونوں شعروں میں مربوط اور متحد ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ شاعر نے بیچ میں یعنی دوسرے شعر کے مضمون میں تصرف کر لیا ہے۔ یا تھوڑا سا اضافہ کر دیا ہے۔ جو کسی طرح بھی دوسرے معنی سے متخالف نہیں ہے۔ اور نہ متناقض ہے۔ اور شاعر کو یہ حق ہے کہ وہ اُن مضامین کو جو باہم متناقض نہ ہوں۔ تھوڑے اضافے سے بیان کر دے، یا اس میں تصرف کرے۔

جب امرؤ القیس کہتا ہے ؎

فلو أنّما أسعی لِأدنیٰ معیشةٍ　　كفاني ولم أطلب قليلٌ من المالِ

وحَسْبُكَ من غِنًی، شِبعٌ وریٌّ

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں ادنیٰ معیشت کے لیے کوشاں ہوتا تو مجھے قلیل مال کافی ہوتا اور میں مجد و بزرگی کو طلب نہ کرتا۔

یہ شعر تیسرے شعر کے اس مفہوم سے بالکل موافق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم کو مال داری سے بس یہی کافی ہے کہ تم پیٹ بھر کر کھا لو اور پانی پی کر سیراب ہو جاؤ۔ وحسبك من غِنی شِبعٌ وریٌّ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں شعروں یعنی پہلے شعر اور تیسرے شعر کے اس دوسرے مصرعے میں قناعت کی تعلیم دی گئی ہے۔ البتہ دوسرے شعر میں جو ان دونوں اشعار کے درمیان واقع ہے شاعر نے معنی میں تصرف سے کام لیا ہے۔ اور مضمون میں وسعت پیدا کر دی ہے ؎

ولكنّما أسعی لمجدٍ مؤثَّلٍ　　وقد يُدرِكُ المجدَ المؤثَّلَ أمثالي

چونکہ شاعر بلند حوصلہ ہے اس لیے وہ ادنیٰ معیشت پر اکتفا کرنا نہیں چاہتا بلکہ پائدار شرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بزرگی کا طالب ہے جصنف کا کہنا ہے کہ اس شعر میں شاعر اپنی علوئے ہمتی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ یہ مضمون باقی دونوں اشعار سے متناقض نہیں ہے۔ اور نہ یہ ان دونوں اشعار کے مفہوم کو منسوخ کرتا ہے۔ بلکہ دونوں مطلب ایک ہی ہیں۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے یہ محض معترض کے خیال کی بات ہے کہ اس نے یہ گمان کر لیا کہ امرؤ القیس ایک جگہ تو قلیل مال پر قناعت کی تلقین کر رہا ہے اور دوسرے شعر میں اس کی تردید کرتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے اور نہ شاعر کا یہ مقصود ہے۔ اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ دونوں مضمون آپس میں متناقض ہیں۔ تو اس کے لیئے شاعر خطا کار یا مجرم نہیں۔ شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا کلام ایک دوسرے کی نقیض نہ ہو۔ شاعر پابند نہیں ہوتا۔ وہ متناقض خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ شاعر سچائی سے متصف نہیں ہوتا۔ یہ ضروری نہیں ... کہ اس کا ہر قول سچا[1] ہو۔ بلکہ اس سے صرف یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جب وہ کسی متناقض خیال کو بیان کرے تو اس کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کر دے۔ جو اس کے کمالِ اقتدار اور قدرت کی دلیل ہو۔

غلو یا مبالغہ بعض شاعر مدح میں اختصار اور اجمال سے کام لیتے ہیں۔ وہ شعر کے معنی میں حد اوسط پر اکتفا کرتے ہیں اور مدح کے باب میں اقتصار علی حد الاوسط کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شاعر کی مراد اختصار کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے طولِ کلام بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ فضول گوئی ہوتی ہے۔

لیکن کچھ شعراء ایسے ہیں جو ایک یا دو فضیلتوں کا ذکر کر کے مدح یا مرتبہ میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ قدامہ کے نزدیک شعر کے معنی میں مبالغہ جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پورے طور سے مدح اسی وقت اچھی ہو گی جب کہ شاعر، فضائلِ ممدوح میں غلو سے کام لے۔ اور ان کی تمام یا اکثر خصوصیات

---

[1] يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَفِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بیان کردے۔ غلو یا مبالغہ کا مسلک اس لیے بہتر نہیں کہ حد اعتدال سے بڑھا جا رہا ہے۔ یا یہ کہ شاعر نے اس کو اپنے خیال میں ایسا ہی تسلیم کیا ہے۔ بلکہ اس سے مقصد صرف اتنا ہے کہ ناممکن امر کے ذکر سے توصیف و مدح کے معنی میں وسعت اور قوت پیدا ہو جائے۔ مبالغہ سے مقصود، توصیف کو انتہا تک پہنچانا اور بطور تمثیل واضح کرنا ہوتا ہے۔ شعر میں غلو یا مبالغہ حقیقتاً مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ بطور تمثیل ایسا کیا جاتا ہے تاکہ سامع کا ذہن غایتِ مطلوبہ تک پہنچ جائے قدامہ غلو یا مبالغہ کو بہترین مذہب قرار دیتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کا قول ہے ۔ احسن الشعر اکذبہ ۔

قدامہ نے مبالغہ کی مثال میں ابو نواس کا یہ شعر درج کیا ہے جو ہارون رشید کی مدح میں ہے ؎

واخفت اهل الشرك حتى انه لتخافك النطف التى لم تخلق

اے ممدوح! تو نے اہلِ کفر و شرک کو اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے کہ وہ نطفے جن کا ابھی سانچہ بھی نہیں بنا ہے۔ وہ بھی تیرے رعب کی وجہ سے خائف ہیں۔

یہ شعر قدامہ کے نزدیک مدح کے باب میں مبالغہ کی بہترین مثال ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ فلاسفۂ یونان بھی اپنی زبان میں شعر گوئی کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور مسلکِ غلو کو پسند کرتے تھے۔

اور اس سے ان کا مقصود وہ غلو ہے جو موجود سے پیدا ہوتا ہے اور باب معدوم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی اتنا غلو کرنا کہ کالعدم ہو جانا۔ اس سے کسی چیز کی تعریف میں انتہا کو پہنچنا اور صنعت مبالغہ کا اظہار کر کے، اس کی مثال قائم کرنا ہوتا ہے۔ مبالغہ سے حقیقت اور واقعیت مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ اشیاء کو غایت مطلوبہ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ طریقہ یعنی بطور تمثیل، غلو اور مبالغہ کرنا دوسرے طریقہ یعنی اقتصار علی حد الاوسط سے بہر حال بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد قدامہ نے باب المعانی الدالۃ علیہا الشعر، کے تحت، مدح، ہجو، مراثی، نسیب، وصف اور تشبیہ کا ذکر کیا ہے۔

"لغت المدیح" میں مصنف نے لکھا ہے کہ ممدوح جس نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی اسی طرح تعریف کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر بادشاہ ہے تو اس کی مدح میں اوصاف وزیر کا تذکرہ نہ ہو بلکہ جو شاہی اوصاف ہوتے ہیں، انہیں سے ممدوح کو متصف کیا جائے۔ اسی طرح اونٹ اور گھوڑے کی توصیف میں ان کے مناسب اوصاف کو بیان کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ نے زہیر کے بارے میں کیا خوب جملہ کہا ہے۔

إنّه لم يكن يمدح الرجال إلّا بما يكون للرجال[1]

حضرت عمر کے اس قول سے مدح کا ایک عام معیار مقرر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کی مدح صرف اوصاف سے کرنا چاہیئے جو ان میں موجود ہوں۔ اور جو ان کے مناسب حال ہوں۔ اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ جب رجال کے علاوہ کسی چیز کی مدح کی جائے تو اس میں بھی اس معیار کا لحاظ رکھا جائے۔ اور اس کی تعریف ان ہی صفات سے کی جائے جو اس میں موجود ہوں اور جو ان کے مناسب ہوں۔ اور کسی طرح اس کے خلاف نہ ہوں۔

مطلب یہ کہ جیسا ممدوح ہوگا ویسے ہی اوصاف بیان کیے جائیں گے۔ لوگوں کی قسموں کے ساتھ اوصاف کی قسمیں ہوتی جائیں گی۔ مثلاً ممدوح بلند ہے یا پست، صاحب مرتبت ہے یا نہیں، دیہات سے تعلق رکھتا ہے یا شہر کا رہنے والا ہے۔ وغیرہم۔ سب سے پہلے جاننے کی ضرورت اس بات کی ہے کہ ممدوح ان طبقات میں سے کس طبقے سے ———— تعلق رکھتا ہے۔ تاکہ اسی کے مطابق اس کی مدح کی جائے۔

اسی باب مدیح میں قدامہ نے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ فضائل انسانی چار ہیں

---

[1] نقد الشعر صفحہ ۴۱ لغت المدیح۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ہمارباب عقل ودانش کا اتفاق ہے ۔ان کو خصائل اربعہ بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں ۔

۱۔ عقل ۔ ۲۔ شجاعت ۔ ۳۔ عدل ۔ ۴۔ عفت[۱]

پس جو شخص ان چار خصلتوں کے ساتھ انسان کی مدح کرے گا وہ اپنے موقف میں صحیح ہوگا اور وہ مدح کا حق ادا کرے گا۔اور جو شخص ان خصائل اربعہ کے علاوہ کے ساتھ ،انسانی مدح کرے گا وہ خطاکار ہوگا ۔

اگر کسی انسان کی تعریف تنہا شجاعت اور دلیری کے ساتھ کی جائے یا سخاوت وشجاعت دو صفتوں سے ممدوح کو متصف کیا جائے اور صرف انہیں دو صفات پر اقتصار رہو اور ان دونوں کے علاوہ اور کسی وصف کا ذکر نہ کیا جائے ، تو ایسا شاعر خطاکار یا غلط گو نہیں ہوگا ،اس لیے کہ اس نے بعض فضائل کے ساتھ مدح کرنے میں راہِ ثواب اختیار کی ہے ۔البتہ اس کو مُقصِّر ضرور

---

۱ قدامہ کے نزدیک خصائل چار ہیں ۔جب کہ اخلاق کی کتابوں میں یہ خصلتیں تین بتائی گئی ہیں۔ قدامہ نے خصائل اربعہ میں عدل کو بھی شامل کیا ہے ۔ حالانکہ عدل الگ سے کوئی قسیم نہیں بلکہ ایک مقسم مستقل ہے جو باقی تین خصلتوں پر حاوی ہے ۔

شجاعت : دفاعی طاقت کو عقل کی روشنی میں اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا نام ہے اس کا افراطی پہلو تہوّر ہے اور تفریطی پہلو جُبن ہے ۔

عفت : مرغوبات کے حصول کی طاقت کو عقل معتدل کے ساتھ خرچ کرنے کا نام عفت ہے ۔

عقل :۔ عقل قوت ادراکیہ کو کہتے ہیں اس کا مذموم پہلو حماقت ، بلادت اور سفاہت ہے ۔

عدل :۔ شجاعت[۱] ، عفت[۲] ، عقل[۳] کے مجموعہ کا نام ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خصلت حمیدہ صرف ایک ہے اور وہ ہے عدل ۔ عدالت میں خصائل ثلثہ یعنی شجاعت ، عفت اور عقل سب آجاتی ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ قدامہ نے جب آگے چل کر فضائل مرکبہ کو بیان کیا ہے تو وہاں عدل کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں گے۔کیوں کہ اس نے اقتصار سے کام لیا ہے اور تمام اوصاف کو بیان نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعراء میں مُصیب وہی ہوگا جو ان خصائل اربعہ سے انسانوں کی توصیف کرے اور ان کے مفاخر کا ذکر نہ کرے۔

جیسے زُہیر بن ابی سُلمٰی نے حصن کی مدح میں کہا ہے ؎

۱- أخِي ثِقَةٍ لا تُهلِكُ الخمرُ مالَه　　ولكِنّه قد يُهلِكُ المالَ نائِلُه

ممدوح قابل بھروسہ شخص ہے۔ شراب نے اس کے مال کو تلف نہیں کیا بلکہ وہ راہِ سخاء میں اپنے مال کو لٹاتا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ممدوح کو عفت اور عدل سے متصف کیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ میرا ممدوح خصائل حمیدہ کا حامل ہے۔وہ عفیف النفس اور عادل ہے۔وہ اپنی دولت بے جا عیش وعشرت میں صرف نہیں کرتا بلکہ اپنا مال راہ سخا میں خرچ کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ لذائذ دنیوی سے منحرف رہتا ہے اور یہی عدل کے معنی ہیں۔

بے جا عیش وعشرت میں دولت خرچ نہ کرنا، اور دنیوی لذتوں سے انحراف، یہ عفت ہے۔ اور ہر شئی کو اس کے محل میں رکھنا، دولت کا صحیح مصرف یعنی جود وسخاء کی راہ اختیار کرنا، یہ عدل ہے کیوں کہ سخاوت، اقسام عدل سے ہے ؎

پھر اس کے بعد کہا ہے ؎

۲- تراه إذا ما جئتَه مُتهلِّلاً　　كأنّك تُعطيه الذي انت سائِلُه

تم ممدوح سے بخشش کا سوال کرو تو وہ اس قدر خوش ہوگا کہ گویا تم اس سے مانگ نہیں رہے ہو بلکہ عطا کر رہے ہو۔

یہ شعر تفنّن مدح سے ہے کیوں کہ شاعر نے ممدوح کی تعریف پہلے سخی ہونے کے ساتھ کی پھر اسی وصف کو اور زیادہ بڑھا کر بیان کر دیا عطا کے وقت ممدوح کو دلی مسرت ہوتی ہے جس کا اثر چہرے پر بشاشت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے اس فعل میں کسی قسم کے تنغص یا ترش روئی کو دخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتا۔

پھر شاعر نے ممدوح کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

فَمَنْ مِثْلُ مُحْسِنٍ فِی الحُرُوبِ وَمِثْلُهُ لِإِنْكَارِ ضَيْمٍ أَوْ لِخَصْمٍ يُجَادِلُه

جنگ کے وقت شجاعت میں، ممدوح حصین کا کوئی حریف و نظیر نہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے اور ظلم کو دفع کرنے میں اس کا کوئی عدیل وسہیم نہیں۔

اس شعر کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مناظرہ و بلاغت میں ممدوح کا کوئی عدیل و سہیم نہیں۔ وہ ذلت کے مقام سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور ذلت کی بات سے انکار کرتا ہے۔ یعنی مغلوبیت سے۔

اس شعر میں زہیر نے ممدوح میں شجاعت، دانائی، قوت بیان (بلاغت) اور عقل (ظلم کو دفع کرنا) کے اوصاف کو بیان کیا ہے۔ اس طرح شاعر نے ان مدحیہ اشعار میں چاروں خصلتوں کا استیعاب کر لیا ہے۔ جو درحقیقت فضائل انسانی ہیں۔

جس طرح سخاوت، بابِ عدل سے ہے اسی طرح وفا (أخی ثقة) بابِ عفت سے ہے جو فضیلتیں خصائل اربعہ میں داخل ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ عقل:

ثَقَابَةُ الْمَعْرِفَة یعنی احساس کی تیزی یا ذکاوتِ حس، حیا، بیان، سیاست، کفایت، حق و باطل میں تمیز کرنا، جاہلوں کی سفاہت سے درگذر کرنا، علم، تدبیر۔

۲۔ شجاعت:

اپنی جان و مال کی حفاظت کرنا، دشمنوں کو دفع کرنا، انتقام اور بدلہ لینا، ہیبت و دبدبہ، گردن نہ جھکانا،

۳۔ عدل:

© rasailojaraid.com